تاریخ میں دینی مدارس کی ابتداء اور ارتقاء

مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ جان قاسمی
ڈائریکٹر مرکز تحقیق اسلامی، پشاور

مدرسہ کا مفہوم اور اس کی ابتدائی شکل: مدرسہ اگر اس معنی میں لیا جائے جس کی اپنی مستقل عمارت ہو، اساتذہ اور طلبہ ہوں اور ایک خاص تعلیمی نظام اور منصوبہ بندی کے تحت علوم وفنون کی تدریس ہوتی ہو، تو اس طرح کے مدرسہ کا وجود اسلام کے ابتدائی ادوار میں نہیں تھا اور مسجد ہی تمام مذہبی، علمی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز اور محور تھی۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ حصول علم کے طور طریقے بدلنے لگے۔ علم کے حلقے بڑھ گئے، درس وتدریس اور تکرار کا شعور پیدا ہوا اور بحث ومناظروں کی صدائے بازگشت گونجنے لگی چنانچہ ان چیزوں نے مساجد سے مدارس کو الگ کردیا کیونکہ مساجد میں ادا کی جانے والی عبادات کے لیے سکون واطمینان کی فضا ضروری تھی (۱)۔

مذکورہ بالا تعریف کے مطابق مدرسہ کا وجود اسلام میں سب سے پہلے اہل نیشاپور (ایران) کے ہاں عمل میں آیا جہاں نیشاپور کے علماء نے ''مدرسہ بیہقیہ'' کی بنیاد رکھی تھی۔ نیشاپور میں اس کے علاوہ ایک مدرسہ سلطان محمود غزنوی نے، ایک اس کے بھائی نصر بن سبکتگین نے (''مدرسہ سعیدیہ'') کے نام سے قائم کیا تھا اور ایک چوتھا مدرسہ امام ابن فورک (متوفی ۴۰۶ھ) کا وجود میں آیا تھا (۲)۔

یہ پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا تھی، اس زمانے میں ایک طرف کتب خانے منظم شکل میں سامنے آنا شروع ہوگئے تھے تو دوسری طرف مدارس تنظیمی اور تعلیمی ڈھانچے سمیت وجود میں آگئے تھے گویا مدارس کا ایک جال پھیل گیا تھا جن میں سے بعض مشہور مدارس مندرجہ ذیل ہیں:

۱)...... **مدرسہ نظامیہ، بغداد:** اس مدرسہ کی نسبت اس کے بانی نظام الملک طوسی کی طرف ہے جو سلجوقی دور کا وزیر اعظم تھا۔ یہ مدرسہ ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء میں قائم ہوا۔ شاہی سرپرستی میں چلنے والا یہ مدرسہ طلبہ اور اساتذہ کے لیے ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ تھا۔ امام غزالی اور امام ابواسحاق شیرازی اس مدرسہ کے اساتذہ تھے۔ مجد الدین فیروز آبادی اس مدرسہ کے فیض یافتہ تھے (۳)۔

۲)...... **مدرسہ سلطان محمود غزنوی:** سلطان محمود غزنوی ہندوستان میں فتوحات کے دوران متھرا شہر کی خوب صورت جامع مسجد سے متاثر ہوا تو حکم دیا کہ غزنی میں ایک عالی شان مسجد بنوائی جائے۔ چنانچہ ایک کثیر رقم خرچ کرکے ایک نادرۂ روزگار مسجد تیار کی گئی جسے عروس الفلک (آسمانی دلہن) کا نام دیا گیا۔ اسی مسجد میں علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس کے لیے

ایک بہترین دارالعلوم تعمیر کرایا۔ یہاں پر کامل ترین علماء وفضلاء ایشیاء بھر کے طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ یہ کالج ایشیاء بھر میں اپنی نظیر آپ تھا۔(۴)

۳)...... جامعہ قرطبہ: یورپ کے ملک اندلس (اسپین) میں جو مسلمانوں کے زیرنگین تھا قرطبہ اور غرناطہ علم وفن اور ارباب کمال کے بڑے مرکز بن گئے تھے۔قرطبہ کی مشہور عالم ''جامع مسجد قرطبہ'' میں خلیفہ الحکم ثانی نے جامعہ قرطبہ کے نام سے ایک بڑی یونی ورسٹی قائم کی تھی۔ جہاں پر مفت تعلیم کا انتظام تھا، یہاں پر مشرق ومغرب کے جلیل القدر اساتذہ تدریس کی خدمت پر مامور تھے۔اس یونی ورسٹی کی عظمت کا اندازہ اس کے کتب خانہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جس میں چار لاکھ نادر کتابیں موجود تھیں اور اس کی صرف فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی (۵)۔

۴)...... مدرسہ امام ابوحنیفہؒ: یہ مدرسہ خلافت اسلامیہ کے دارالخلافہ بغداد میں علماء نے عوام کے تعاون سے ۱۰۶۶ء میں مدرسہ نظامیہ سے پہلے قائم کیا تھا۔اس مدرسہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دارالخلافہ بغداد میں سب سے پہلا مدرسہ ہے۔اگرچہ بعض مؤرخین مدرسہ نظامیہ کو تاریخ اسلام کا پہلا مدرسہ قرار دیتے ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔اس بارے میں علامہ عبدالصبوح قاسمی نے اپنے تحقیقی مقالہ میں سیر حاصل بحث کی ہے۔وہ پشاور یونی ورسٹی کے جرنل میں رقم طراز ہیں:

> "Some have contended that Nizamiyah college was the first college in the history of Islam, but this is not correct. Besides the Dar al-Ilm of Al-Rashid and Al-Mamun, a number of Madrasahs existed in different parts of the Islamic empire. Nishapur was another centre of Islamic studies and a number of other colleges were founded before the establishment of Nizamiyah college(6).

۱) جامعہ ازھر (مصر): فاطمی امراء نے ۳۵۸ھ میں مصر فتح کیا تو قاہرہ کو اپنا مذہبی مرکز بنا کر یہاں ۳۵۹ھ/۹۷۰ء ں جامع مسجد ازھر کی بنیاد رکھی۔ پہلے فاطمہ خلیفہ العزیز باللہ نے اس میں ایک شاہی مدرسہ کھولا۔ جہاں پر منقولات اور نقولات کی تدریس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ بہت جلد یہاں پر اطراف واکناف کے طلبہ جمع ہوگئے جن کی تعلیم، کھانے ینے، رہائش اور دیگر سہولتوں کا مفت انتظام تھا۔ فاطمی امراء شیعہ تھے اور انھوں نے اس مدرسہ کو زیادہ تر سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ لہٰذا جب صلاح الدین ایوبی نے مصر فتح کیا تو یہاں پر شافعی مذہب کے مطابق تعلیمات کو رواج دیا۔ یہ رسہ آج تک جامعہ ازھر کے نام سے قائم ہے اور یہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اور قدیم یونی ورسٹی کے طور پر جانی جاتی

ہے۔(۷)

مذکورہ مدارس کی پیروی میں بعد میں بہت سارے مدارس کا قیام عمل میں آیا، چنانچہ نورالدین محمود بن زنگی نے دمشق اور حلب میں، اور پھر صلاح الدین ایوبی اور اس کے خاندان نے مصر، دمشق اور یروشلم میں بڑی تعداد میں مدارس قائم کیے جن کی تفصیل المقریزی کی کتاب ''الخطط'' اور نعیمی کی کتاب ''الدارس فی تاریخ المدارس'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان مدارس کے پیدا کردہ چند مشہور علماء کرام: ابتدائی دور کے ان مدارس نے چوٹی کے علماء کرام پیدا کیے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے علم وعمل کا ڈنکا ہزار سال گذرنے کے باوجود آج بھی بج رہا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر اجمالی طور پر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱) **امام غزالیؒ:** امام محمد بن محمد الغزالی ۴۵۰ھ/ ۱۰۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی کے پاس مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھا۔ فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں استاد مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے صدر نشین کے درجہ تک پہنچ گئے۔ آپ نے فلسفۂ یونان کا مطالعہ کیا جس کے نظریات اسلام سے متصادم تھے اور اس کی رد میں اپنی مشہور کتاب ''تہافتہ الفلاسفہ'' لکھی۔ آپ کی تالیفات میں سے احیاء علوم الدین، یاقوت التاویل (تفسیر قرآن چالیس جلدوں میں) اور مقاصد الفلاسفہ مشہور ہیں۔ ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء میں وفات پائی ہے۔

۲) **ابن سینا:** ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا ۳۷۰ھ/ ۹۸۰ء کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور دینی علوم کے علاوہ ریاضی، منطق اور طبعیات کے علاوہ، طب وادب میں کمال حاصل کیا۔ مختلف شاہی درباروں سے منسلک رہے اور شاہی کتب خانے استعمال کیے۔ سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں جن میں الشفاء اور القانون صدیوں تک یورپ کے طبی کالجوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷ء کو ہمدان میں وفات پائی ہے۔

۳) **البیرونی:** ابوریحان محمد بن احمد البیرونی خوارزم میں ۳۶۲ھ/ ۹۷۳ء کو پیدا ہوئے۔ علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ عربی، فارسی، سنسکرت، ترکی، عبرانی اور یونانی زبانوں کے ماہر تھے۔ ہیئت، طبعیات، جغرافیہ اور ریاضی میں عالمی سطح کے محقق تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۱۳ بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے کتاب الہند اور الآثار الباقیہ مشہور ہیں۔ شاہی درباروں سے منسلک رہے۔ سلطان محمود غزنوی نے آپ کو اپنے دربار میں بلند مقام دیا تھا۔ ۴۴۰ھ/ ۱۰۳۵ء کو وفات پائی ہے۔

۴) **امام بیہقیؒ:** امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (۳۸۴ھ تا ۴۵۸ھ) نے نیشاپور کے مدرسہ میں الحاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ آپ بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ اور علم اصول کے ماہر تھے۔ آپ کی تالیفات ایک ہزار جلدوں پر مشتمل ہیں۔ جن میں المبسوط فی فروع الشافعیہ، کتاب السنن الکبیر اور دلائل النبوہ مشہور ہیں۔

۷) ابن عبدالبرؒ اندلسیؒ: یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر ۳۶۸ھ/ ۹۷۸ء کو بمقام قرطبہ، اندلس (اسپین) پیدا ہوئے۔ تمام علوم خصوصاً علم حدیث میں بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف کی ایک لمبی فہرست ہے۔ یہ تصانیف سینکڑوں جلدوں پر مشتمل ہیں جن میں التمہید (ستر جلدوں میں) الاستیعاب، جامع بیان العلم وفضلہ اور الانتقاء مشہور ہیں۔ ۴۶۳ھ میں وفات پائی ہے۔

ان مدارس کے اقسام: یہ مدارس تین طرح کے تھے۔ ایک بادشاہوں اور امراء کے قائم کردہ مدارس۔ دوسرے مخیر علماء کرام کے قائم کردہ مدارس اور تیسرے عوام کے تعاون سے چلنے والے مدارس۔ ان تینوں قسموں کی قدرے تفصیل دی جاتی ہے۔

۱) بادشاہوں اور امراء کے قائم کردہ مدارس: یہ وہ مدارس تھے جو بادشاہوں یا ان کے وزیروں اور عام مال دار لوگوں نے قائم کیے تھے اور یہ لوگ ان مدارس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے۔ نظام الملک طوسی کا ذکر پہلے گذر چکا، یہ خود بھی عالم فاضل شخص تھا اور علماء وفضلاء کا حد درجہ قدر دان تھا۔ ان کی مجلس علماء اور صوفیاء سے بھری رہتی تھی اور اپنے اموال ان پر بے دریغ خرچ کرتا تھا۔ السبکی کے مطابق نظام الملک نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں ایک ایک مدرسہ قائم کیا تھا (۸)۔

ابن اثیر نے مدرسہ نظامیہ بغداد کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں پر مدرسین کے لیے تنخواہوں کے علاوہ طلبہ کے لیے خورونوش ورہائش اور وظائف کا مفت انتظام تھا۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے قائم کرنے کے بعد نظام الملک نے نیشاپور، بلخ، ہرات اور بصرہ میں نظامیہ مدارس قائم کیے۔ ان میں طلبہ اور اساتذہ کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کا معقول انتظام تھا۔ طلبہ کے لیے کتابیں، کاپیاں اور تدریسی سامان مہیا کیا جاتا تھا۔ مصارف پورے کرنے کے لیے نظام الملک نے مختلف شہروں میں ان مدارس کے لیے اوقاف قائم کردیئے تھے۔ جہاں سے اساتذہ کو مشاہرے اور طلبہ کو وظائف ملتے تھے (۹)۔

قزوینی نے مزید لکھا ہے کہ ایک بار سلجوقی بادشاہ الپ ارسلام نے نیشاپور کا دورہ کیا۔ وزیر اعظم نظام الملک بھی ساتھ تھا۔ وہاں کے علماء نے جمع ہوکر بے کسی اور ذرائع معاش کے فقدان کی شکایت کی۔ نظام الملک کو موقع ملا اور ان کے لیے ایک مدرسہ بنانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ سرکاری آمدن کا دس فیصد حصہ بھی اس کے لیے وقف کیا (۱۰)۔

تاریخ الاسلام کے مؤلف حسن ابراہیم حسن نے جامعہ ازہر کے بارے میں لکھا ہے کہ فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے جب یہ مدرسہ کھولا، تو یہاں پر درس وتدریس کے لیے تمام سہولتوں کا انتظام کیا جس کی وجہ سے اطراف واکناف کے طلبہ بہت جلد یہاں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ ان کے لیے کھانے پینے، رہائش اور دیگر سہولتوں کا مفت انتظام تھا (۱۱)۔

۲) مخیرّ علماء کے مدارس: مدارس کی ایک قسم وہ تھی جو صاحب استطاعت علماء کرام نے قائم کی تھی۔ یہ علماء کرام نہ صرف ان مدارس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے بلکہ اپنی بساط کے مطابق اپنا مال بھی ان کے طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔امام ابن فورک (متوفی ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء) شافعیہ کے امام تھے۔انھوں نے نیشا پور میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی (متوفی ۴۳۸ھ/۱۰۴۶ء) نے اسی مدرسہ سے فراغت حاصل کی تھی۔امام عبدالعزیز بن احمد الحلوائی البخاری (متوفی ۴۴۸ھ) بخاریٰ میں احناف کے بڑے امام تھے۔انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔حلوہ بیچ کراس کی کمائی طلبہ پر خرچ کیا کرتے تھے۔اس زمانہ میں علماء کرام نہ صرف اپنے ہاتھوں کی کمائی سے گذراوقات کرتے تھے اور درس وتدریس بلا معاوضہ کرتے تھے۔ بلکہ اپنے اموال طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) اس مدرسہ کے فیض یافتہ تھے اور اپنے استاد کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر علماء کے اتفاق سے مسند نشین ہوگئے تھے۔ بغداد میں سرکاری سرپرستی میں چلنے والے مدرسے ''مدرسہ نظامیہ'' کے قیام سے قبل مدرسہ امام ابو حنیفہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ یہ مدرسہ بھی چند علماء کے اشتراک عمل سے وجود میں آیا تھا۔اس کی تعمیر اور قیام کی ذمہ داری ابوسعد المستوفی نے سال ۴۵۹ھ میں لی تھی اور مدرسہ کی تدریس کا اہتمام استاذ ابوطاہر الیاس بن ناصر دیلمی (متوفی ۴۶۱ھ) کے سپرد تھی جو بغداد کی ایک عالم وفاضل شخصیت تھی۔مدارس کی یہ مثالیں نمونہ کے طور پر ہیں ورنہ علماء کے اپنے اخراجات سے قائم کردہ مدارس تمام اسلامی دنیا میں قائم تھے (۱۲)۔

۳) عوام کے قائم کردہ مدارس: مدارس کی تیسری قسم وہ تھی جو کہ مسلمانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے عوامی چندوں کے ذریعہ قائم کی تھی۔ان چندوں سے مدرسین کی تنخواہیں، طلبہ کے لیے خورونوش کا انتظام، تعمیری ضروریات اور دیگر نظم ونسق کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔مدرسہ بیہقیہ کا ذکر پہلے ہو چکا۔ یہ عوامی مدرسہ تھا اور اس کے اخراجات عوامی چندوں سے پورے کیے جاتے تھے۔اس طرح کے مدارس بھی عالم اسلام میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔

اس دور کے مدارس کے ذرائع آمد وخرچ: گذشتہ سطور میں مدارس کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ایک قسم ان مدارس کی تھی جو بادشاہوں، وزیروں یا امراء نے قائم کی تھی۔ظاہر ہے ان مدارس کے بانیان چونکہ مال دولت سے مالا مال تھے اس لیے اپنے قائم کردہ مدارس پر دل کھول کر خرچ بھی کیا کرتے تھے۔بادشاہ اور وزیر قسم کے لوگ عموماً دنیاداری اور بے جا اسراف کے کاموں میں مال خرچ کرتے ہیں۔اپنی ذاتی خواہشات اور خورونوش وغیرہ پر بے دریغ دولت لٹاتے ہیں اس لیے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ نیکی کے کام میں بھی پیسہ خرچ ہو۔اس نیک خواہش کی تسکین کے لیے کبھی وہ مساجد اور مدارس تعمیر کرتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں بھی بعض بادشاہ اور وزراء جو علم وفن کے قدر دان تھے انھوں نے علمی کاموں پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔اس کی زندہ مثال عباسی خلیفہ مامون الرشید کے بیت الحکمت کی ہے۔جو دنیا کی

سطح پر ایک عظیم الشان لائبریری ہونے کے علاوہ مختلف علوم وفنون کے ترجمہ، تحقیق، تدوین اور تجربہ گاہ کی حیثیت سے مشہور تھی۔ اس قسم کے اداروں کے حسابات کا طریق کار نہایت منضبط ہوا کرتا تھا اور یہ ادارے مالی لحاظ سے خود کفیل ہوا کرتے تھے۔

مدارس کی دوسری قسم وہ تھی جو علماء کرام کی سرپرستی میں قائم تھی۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے وقتوں میں علماء کرام نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہے اور نہ صرف اپنا معاشی بوجھ خود سنبھالا ہے بلکہ تعلیم وتدریس کی خلوص سے خدمت کی ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں قفّال (تالا فروش) رزّار (چاول فروش) حدّاد (لوہار) حلوائی (حلوہ فروش) قدوری (ہانڈی فروش) وغیرہ القاب علماء کے ناموں کے ساتھ ملتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے پیشے علماء اپنا کر نہ صرف اپنا معاشی مسئلہ حل کرتے، بلکہ ساتھ ساتھ مدارس اور مکاتب بھی اپنے اخراجات سے چلاتے تھے۔

مدارس کے اخراجات برداشت کرنے میں عوام الناس کا بھی ہمیشہ سے بڑا حصہ رہا ہے بلکہ موجودہ دور میں تو تقریباً انہی کے اخراجات سے مدارس چلتے ہیں۔ یہ لوگ آخرت کے ثواب اور علم ودین کی تبلیغ کی نیت سے مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور یہ تعاون اس قدر خلوص اور والہانہ انداز پر مشتمل ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی عطیات کا حساب کتاب بھی کبھی مدارس ومساجد والوں سے نہیں مانگا ہے۔

اس دور کے مدارس میں مروّجہ علوم وفنون: ہمارے اس زمانے میں نصاب تعلیم کسی بھی تعلیمی ادارے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں مدارس کے لیے کوئی مقررہ نصاب تعلیم نہ تھا۔ اس زمانے میں کتاب پڑھنے کے بجائے فن پڑھایا جاتا تھا اور اس لیے ہر فن کے ماہر عالم کے پاس اس علم کے تشنگان کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مدارس کا کوئی مرتب نصاب تعلیم نہیں تھا بلکہ اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ اس زمانے کے علوم وفنون کیا تھے اور کس درجہ کے تھے تو اس کے لیے ہمیں اس زمانے کے علماء وفضلاء پر نظر دوڑانی پڑے گی۔ چنانچہ اس طرح جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت ہمارے سامنے کھل جاتی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں نہ صرف دینی علوم کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر موجود تھی بلکہ دنیاوی علوم اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تمام فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی اور اس سلسلے میں مسلمان دنیا کے تمام متمدن اور مہذب اقوام سے بہت آگے تھے۔ آیئے اس زمانے میں مروجہ علوم وفنون کا اندازہ اس زمانے کی علمی شخصیات کے ذکر سے مختصراً لگاتے ہیں۔

ابن الہیثم (۹۶۵ء تا ۱۰۴۳ء) کا تعلق مدارس کے اس ابتدائی دور سے تھا۔ ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا۔ روشنی اور علم بصریات کا ماہر تھا۔ اس نے جامع ازھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر روشنی پر ایک کتاب ''کتاب المناظر'' لکھی۔ اس نے سایوں ''سورج گرہن اور چاند گرہن'' پر کتاب لکھی۔ اس نے سب سے پہلے روشنی کی ماہیت دریافت کی اور روشنی کو

توانائی قرار دیا۔ اسے ''بصریات کا امام'' کہا جاتا ہے۔

ابن النفیس (۱۲۱۳ء تا ۱۲۸۸ء) دمشق میں پیدا ہوا۔ نورالدین زنگی کی بنائی ہوئی طبی درس گاہ (Medical College) سے علم حاصل کیا۔ طب کے علاوہ فقہ، ادب اور دینی علوم کا ماہر تھا۔ اسے قاہرہ میں نصری ہسپتال کا سربراہ بنایا گیا۔ انسانی جسم میں خون کی گردش کی دریافت اس کا کارنامہ ہے۔ اس نے خون کی شریانوں اور دل سے متعلق کئی مفید معلومات فراہم کیں اور آنکھوں کی تکالیف کی تحقیق کی۔ اس نے جالینوس اور بوعلی سینا کی کتب پر تحقیقی اور تنقیدی کام کیا۔ اس کی کتاب ''الشامل فی الطب'' اور ''مجاز القانون'' سے آٹھ صدیوں سے علماء و حکماء فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ابن رشد (۱۱۲۶ء تا ۱۱۹۸ء) قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ دینی علوم میں مہارت کی وجہ سے قرطبہ کا قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ علم طب میں نام اور شہرت پیدا کی۔ مراکش کے بادشاہ ابو یعقوب یوسف نے انھیں اپنی خدمت کے لیے بلایا۔ ابن رشد کی کتابوں کی تعداد ۷۵ بتائی جاتی ہے۔ ان کی کتاب ''الکلیات فی الطب'' نے بہت شہرت پائی، کیونکہ یہ دنیا میں سب سے پہلی کتاب ہے جو طب میں چھپی، اس میں چیچک کے بارے میں معلومات ہیں۔ اس نے ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔

ابو ریحان البیرونی (۹۸۳ء تا ۱۰۴۸ء) ہیئت، ریاضی اور تاریخ و تمدن کا عالمی طور پر تسلیم شدہ عالم و فاضل ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی قائم کردہ رصد گاہ میں کام کیا۔ اسے ''علم کے دریا'' کا خطاب ملا۔ کتاب الہند، الآثار الباقیہ اور القانون المسعودی اس کی زندہ جاوید تالیفات ہیں۔

بوعلی سینا (۹۸۰ء تا ۱۰۳۸ء) اپنے عہد کا سب سے عظیم طبیب، فلسفی، ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا۔ اس نے ہمدان میں رصد گاہیں بنائیں۔ اس کی کتابیں الشفاء اور القانون بہت مشہور ہیں۔

ماہر علم کیمیاء اور بلند پایہ طبیب جابر بن حیان (۷۲۲ء تا ۸۱۵ء) کو برمکی خاندان کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نے یونانی زبان سے علوم و فنون کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس نے تین معدنی تیزابوں کو دریافت کیا۔ شورے کے تیزاب کو پھٹکری، کسیس اور قلمی شورے سے تیار کیا۔ کیمسٹری کے موضوع پر اس نے بائیس کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ کتاب المیزان اس کی مشہور کتاب ہے۔

اس طرح ابوالقاسم الزہراوی تاریخ اسلام میں علم جراحی (سرجری) کے ماہر، عمر الخیام فلکیات اور علم ہیئت کے ماہر، الفارابی یونانی فلسفے کے ماہر، اور الفرغانی ماہر علم ہندسہ کے طور پر مشہور ہیں۔ اس مختصر مضمون سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں دینی مدارس نے وہ بلند پایہ ہستیاں پیدا کیں جو دین و دنیا دونوں کی جامع تھیں اور انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں نام پیدا کیا، انہی لوگوں کی تصانیف نے یورپ کو تاریکی سے نکالنے اور علم کی شاہراہ پر ڈالنے کا بنیادی کام کیا اور موجودہ مہذب دنیا انہی علوم کی مرہون منت ہے۔

حوالہ جات

(۱)حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام، طبع مصر۴/۴۲۱، احمد شلبی: تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ، طبع لاہور، ص۱۰۲ (۲)المقریزی: کتاب الخطط، طبع بیروت:۲/۳۶۳ (۳)القزوینی: آثار البلاد واخبار العباد، ص۴۱۳، ابن اثیر: الکامل فی التاریخ: ۱۰/۷۷ (۴)محمود الرحمٰن ندوی: دولت غزنویہ، ص۱۲۸۱، محمد عبدالرحمٰن خان: تاریخ اسلام پر ایک نظر، ص ۲۶۵ (۵)اخبار الاندلس (س۔پ سکاٹ کی کتاب ہسٹری آف مورش ایمپائران یورپ'' کا اردو ترجمہ، ص۶۵۶ وبعد

(۶)A.S.Qasmi: Libraries in the early Islamic World, U.O.P.Journal, Jan 1958, PP3.

(۷)زاہد علی: تاریخ فاطمین مصر، طبع کراچی: ۱/۱۶۲، حسن ابراہیم حسن: تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ، طبع قاہرہ، ص۳۲۹ وبعد (۸)السبکی، عبدالوہاب، تاج الدین: طبقات الشافعیہ، طبع قاہرہ:۳/۱۳۷ (۹)ابن الجوزی: المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:۸/۲۱۵ (۱۰)القزوینی: آثار البلاد واخبار العباد: ص۴۱۳ (۱۱)حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام، طبع مصر:۴/۴۲۲ (۱۲)ابن الجوزی: المنتظم فی تاریخ الامم:۸/۲۴۵

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذہانت

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کے گھر میں رات کو چور گھس آئے، مالک مکان کو باندھ دیا، اور اس کا سارا سامان سمیٹ کر لے جانے لگے، جانے سے پہلے انھوں نے مالک مکان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کے سردار نے کہا کہ ''اس کا سامان تو سارا لے جاؤ، مگر اسے زندہ چھوڑ دو، اور قرآن اس کے ہاتھ پر رکھ کر اسے قسم دو کہ میں کسی شخص کو یہ نہیں بتاؤں گا کہ چور کون تھے؟ اور اگر میں نے کسی کو بتایا تو میری بیوی کو تین طلاق''۔ مالک مکان نے جان بچانے کی خاطر یہ قسم کھالی، لیکن بعد میں بڑا پریشان ہوا، صبح کو بازار میں گیا تو دیکھا کہ وہی چور چوری کا مال بڑے دھڑلے سے فروخت کر رہے ہیں اور یہ بیوی پر طلاق کے خوف سے زبان بھی نہیں کھول سکتا۔ عاجز آ کر یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا، اور ان کو بتایا کہ رات اس اس طرح کچھ چور میرے گھر میں گھس آئے تھے اور انھوں نے مجھے ایسی قسم دی، اب میں ان کا نام ظاہر نہیں کر سکتا، کیا کروں؟

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم اپنے محلّہ کے معزز افراد کو جمع کرو، میں ان سے ایک بات کہوں گا اس شخص نے لوگوں کو جمع کرلیا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہاں پہنچ کر ان سے کہا کہ ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس شخص کو اس کا مال واپس مل جائے''، ''ہاں چاہتے ہیں'' ان سب نے کہا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ایسا کیجیے کہ اپنے ہاں کے سارے غنڈوں کو جامع مسجد میں جمع کیجئے اور پھر ایک ایک کرکے انہیں باہر نکالیے جب کوئی باہر نکلے تو آپ اس شخص سے پوچھیے کہ: ''کیا یہی وہ چور ہے؟ اگر وہ چور نہ ہو تو یہ انکار کردے، اور اگر وہی چور ہو تو خاموش رہے، اس موقع پر آپ سمجھ جائیے کہ یہی وہ چور ہے، اس طرح چور کا پتہ بھی لگ جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق بھی نہ ہوگی۔'' سب نے اس تجویز پر عمل کیا، چور پکڑا گیا اور اس بیچارے کو اپنا مال بھی واپس مل گیا۔ (تقی الدین حموی ثمرات الاوراق علمی المستطرف ص۱٤٦، ۱٤۷، ج۱)